فیصلہ ہفت مسئلہ

حاجی امداد اللہ رح مہاجر مکی



محکمۂ اوقاف، حکومت پنجاب۔ لاہور

فیصلہ

ہفت مسئلہ



از

حضرت حاجی امداد اللہؒ مہاجر مکیؒ

ناشر

محکمہ اوقاف، پنجاب

ناشر
علماء اکیڈمی (شعبۂ مطبوعات) محکمۂ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور حضوری باغ
بادشاہی مسجد

طبع	دوم
تعداد	پانچ ہزار
مؤرخہ	جون ۱۹۷۳ء
طابع	

باہتمام
ادارہ فروغ اسلام، لاہور
وفاق پرنٹنگ پریس لاہور

فہرست

عنوانات

حرفِ آغاز

مقامِ مسرت ہے کہ ہم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے ایک رسالے "فیصلہ ہفت مسئلہ" کو شائع کر رہے ہیں۔ حاجی صاحب کی بلند و بالا شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے آپ گذشتہ صدی کی ان چند گنی چنی شخصیتوں میں سے ہیں، جنہوں نے اپنے فکر و عمل کی روشنی سے مسلمانوں کے سامنے اخلاص اور جدوجہد کی راہیں روشن کی ہیں۔ آپ نے انگریز کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ میں عملی طور پر حصہ لیا۔ اور اس طرح سے یہ ثابت کر دیا کہ ایک عارف باللہ کے لئے انسانی آزادی کس قدر عزیز ہے۔ مذہبی اور روحانی میدان میں آپ نے اپنی پاکیزہ شخصیت سے انسانی دلوں کو طہارت اور فکر و نظر کو جلا بخشی۔

"فیصلہ ہفت مسئلہ" میں حاجی صاحب نے ان مسائل پر لکھا ہے جنہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کو مسلسل نقصان پہنچایا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں خراسان میں جو مسائل علماء کے لئے وجۂ اختلاف بنے ہوئے تھے اور جن کی وجہ سے مسلمانوں میں برابر سر پھٹول ہوتی رہی، وہی مسائل آج بھی موجود ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جزوی مسائل کی تعبیر و تشریح میں مسلمانوں نے جو توانائی صرف کی ہے۔ کاش! اس کا بہتر مصرف تلاش کیا جاتا چونکہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد مسلمانوں کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلانا ہے، مناظرہ و مجادلہ نہیں اس لئے فرماتے ہیں۔

"حق تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ تحریر باعثِ رفعِ فسادِ باہمی ہو جائے اور حضرات بھی اگر اس کو قبول فرما کر منتفع ہوں تو دعا سے یاد فرمائیں اور کوئی صاحب اس تحریر کے جواب کی فکر نہ کریں کہ مقصد میرا مناظرہ کرنا نہیں"۔ بلاشبہ راست بازی اور سچائی کی راہ مناظرے کی راہ سے بالکل جدا ہے۔ قیل و قال اور کج بحثی کی راہ وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن کی متاعِ علم غرورِ نفس کے سوا اور کچھ نہیں۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے علماء اور عوام دونوں ہی اس رسالے سے استفادہ کریں گے
یہ رسالہ متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ ہمارے سامنے "محفلِ ذوقی" کراچی کا شائع کردہ نسخہ ہے۔ ہم نے رسالہ میں وارد شدہ آیات و احادیث کی نشاندہی کر دی ہے اور بعض جگہوں پر تشریحی عبارتوں کا اضافہ بھی کر دیا ہے، تاکہ قارئین کو اصل عبارت کے سمجھنے میں مدد ملے۔

محمد یوسف گورایہ
ڈائریکٹر علماء اکیڈمی، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یهدہ اللہ فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا اللہ وحدہ لا شریک له ونشهد ان سیدنا ومولٰنا محمداً عبدہ ورسوله۔

اما بعد فقیر امداد اللہ الحنفی الچشتی، سب مسلمانوں کی خدمت میں خصوصاً جو اس فقیر سے ربط و تعلق رکھتے ہیں، عرض رسا ہے کہ یہ امر مسلمات سے ہے کہ باہمی اتفاق باعث برکاتِ دنیوی و دینی ہے اور آج کل بعض مسائل فرعیہ میں ایسا اختلاف واقع ہوا ہے جس سے طرح طرح کے شر اور فتنیں پیدا ہو رہی ہیں اور خواص کا وقت اور عوام کا دین ضائع ہو رہا ہے۔ حالانکہ اکثر امور میں محض نزاع لفظی[1] ہے اور مقصود متحد۔ چونکہ عموماً مسلمانوں کی اور خصوصاً اپنے تعلق والوں کی یہ حالت دیکھ کر نہایت صدمہ ہوتا ہے اس لیے فقیر کے دل میں یہ آیا کہ مسائل مذکورہ

[1] لفظی جھگڑا

کے متعلق مختصر سا مضمون قلم بند کر کے شائع کر دیا جائے۔ امید قوی ہے کہ یہ نزاع و جدال رفع ہو جائے۔ ہر چند کہ اس وقت میں اختلافات اور مختلفین کثرت سے ہیں مگر فقیر نے ان ہی مسائل کو لیا جن میں اپنی جماعت کے لوگ مختلف تھے۔ دو وجہ سے' اوّل تو کثرتِ اختلافات اس درجہ پہنچی ہے کہ اس کا احاطہ مشکل ہے۔ دُوسرے ہر شخص سے امیدِ قبول نہیں اور اپنی جماعت میں جو اختلافات ہیں۔ اولاً وہ معدود' دُوسرے امید قبول غالب۔ پس ایسے مسائل جن میں ان صاحبوں میں زیادہ قیل وقال ہے۔ سات ہیں۔ پانچ عملی' دُو علمی، ترتیب بیان میں اسکا لحاظ رکھا ہے کہ جن میں سب سے زیادہ گفتگو ہے ان کو مقدم رکھا۔ جس میں اس سے کم ہے۔ اس کے بعد علیٰ ہذا القیاس اور اپنا مشرب اور ایسے مسائل میں جو عملدر آمد مناسب ہے، نیز لکھدیا۔ حق تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ تحریر باعثِ رفع فساد باہمی ہو جاوے اور اور حضرات بھی اگر اس کو قبول فرما کر منتفع ہوں تو دُعا سے یاد فرمائیں اور کوئی صاحب اس تحریر کے جواب کی فکر نہ کریں کہ مقصود میرا مناظرہ کرنا نہیں۔ واللہ ولیُّ التوفیق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولود شریف

اس میں تو کسی کو کلام ہی نہیں کہ حضرت فخر آدم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کا ذکر بذاتِ خود دنیا و آخرت کی خیر و برکت کا باعث ہے گفتگو تو اس بات پر ہے کہ لوگ اس کی تاریخ مقرر کریں یا اس کا ایک طریقہ مخصوص کریں یا مختلف قسم کے قیود لگائیں جنمیں سب سے نمایاں قیام ہے۔ یعنی سلام پڑھنے کے وقت کھڑا ہونا بعض علماء ان باتوں کو منع کرتے ہیں اس حدیث کی رو سے کہ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ[1] (ہر بدعت گمراہی ہے) اور اکثر علماء اجازت دیتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ حضور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں بہرحال فضیلت ہے۔ انصاف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل کر لیا جائے۔ جیسے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ مَنْ اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ[2]

[1] صحیح مسلم، ابواب الجمعۃ [2] صحیح بخاری، کتاب الصلح

(جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات پیدا کی۔ جو جزو دین نہیں ہے تو وہ بات ناقابلِ قبول ہے)، پس اگر کوئی شخص میلاد میں اس قسم کی مخصوص کی ہوئی باتیں (تاریخ، قیام وغیرہ) محض اختیاری سمجھتا ہے اور بذاتِ خود عبادت نہیں سمجھتا بلکہ صرف مصلحت سے ان پر عمل کرتا ہے۔ البتہ اپنے اس مقصد کو جس کے لیے یہ سب کچھ کرتا ہے۔ (یعنی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے احترام کو) ضرور عبادت جانتا ہے تو یہ بدعت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر وہ قیام کو بذاتِ خود عبادت نہیں سمجھتا۔ عبادت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی تعظیم کو جانتا ہے لیکن کسی مصلحت سے اس تعظیم کی ایک خاص شکل مقرر کر لیتا ہے۔ تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے یا مثلاً رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی تعظیم کسی وقت بھی ایک اچھا فعل سمجھتا ہے۔ لیکن کسی خاص مصلحت سے خاص طور پر ذکرِ ولادت کا وقت مقرر کر لیتا ہے۔ یا ذکرِ ولادت کسی وقت بھی ایک اچھا فعل سمجھتا ہے۔ لیکن اس مصلحت سے کہ پابند رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور کسی مصلحت سے وہ ۱۲ ربیع الاوّل مقرر کر لیتا ہے تو ان باتوں میں بھی کوئی برائی نہیں ہے۔ مصلحتوں کی تفصیل بہت لمبی ہے اور ہر موقعہ کے لیے جدا مصلحت ہوتی ہے۔ اگر کوئی ان مصلحتوں سے آگاہ نہ ہو تو اس کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ پہلے زمانہ کی سوجھ بوجھ رکھنے

والوں کی پیروی کر رہا ہے۔ مخصوص رُوحانی اشتغال اور مراقبات مدرسوں اور خانقاہوں کا قیام بھی اسی قسم کی مصلحتوں کا نتیجہ ہیں۔ ہاں اگر ان مخصوص باتوں کو نماز روزہ وغیرہ کی طرح بذاتِ خود عبادت سمجھتا ہے تو بیشک یہ بدعت ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اس کا عقیدہ یہ ہے کہ خاص تاریخ پر مولود نہ پڑھا گیا یا اس میں قیام نہ ہوا یا خوشبو اور شیرینی کا انتظام نہ ہوا تو ثواب ہی نہ ملا تو اس قسم کا عقیدہ بے شک غلط ہے۔ کیونکہ یہ شریعت کی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔ اسیطرح مباح[1] فعل کو حرام اور گمراہی سمجھنا بھی غلط ہے دونوں صُورتیں۔ یعنی مباح چیزوں کو واجب سمجھنا اور ان کو حرام سمجھنا، شریعت کی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اگر ان مخصوص باتوں کو اس اعتبار سے ضروری نہیں سمجھتا کہ وہ شرعی طور پر واجب ہیں۔ بلکہ صرف اس اعتبار سے کہ ان میں بعض برکتیں شامل ہیں۔ جس طرح بعض اعمال کے ساتھ ایسی شرائط ہوتی ہیں کہ اگر ان کی رعایت نہ کی جائے تو انکا خاص اثر پیدا نہیں ہوتا تو اس کو بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مثلاً بعض عمل کھڑے ہو کر پڑھے جاتے ہیں۔ اگر بیٹھ کر پڑھیں تو ان میں جو خاص اثر ہے وہ پیدا نہیں ہوتا۔ تو پڑھنے والا اس قیام کو اسی اعتبار سے ضروری سمجھتا ہے (یعنی خاص اثر پیدا کرنے کے لیے اور اس کی دلیل عمل کے ایجاد کرنیوالے کا

---

[1] مباح اس فعل کو کہتے ہیں۔ جو شریعت میں نہ مستحب (پسندیدہ) ہے اور نہ مکروہ (ناپسندیدہ)

کشف یا الہام ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مولود شریف کی خاص
شکل کو اپنے تجربے سے یا کسی صاحبِ بصیرت کی سند سے بعض خاص
برکات کا حامل سمجھتا ہے اور انہی معنوں میں قیام کو ضروری سمجھتا ہے کہ
یہ خاص اثر قیام کے بغیر حاصل نہ ہوگا تو یہ بات بدعت نہیں ہوسکتی۔ اعتقاد
ایک اندرونی چیز ہے۔ بغیر دریافت کئے ہوئے اس کی کیفیت معلوم
نہیں ہوسکتی۔ یہ بات اچھی نہیں ہے کہ چند ظاہری علامتوں کو دیکھ کر کسی
پر بدگمانی کی جائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض لوگ قیام نہ کرنے والوں
پر ملامت کرتے ہیں۔ ایسی ملامت یقیناً بے جا ہے۔ کیونکہ شرعی
اعتبار سے قیام واجب نہیں ہے اور فقہاء نے فرمایا ہے کہ اصرار
کرنے سے ایک پسندیدہ فعل (مستحب) بھی معصیت ہو جاتا ہے
اصرار صرف واجبات پر مناسب ہے۔ اختیاری فعل پر منع ہے۔ لیکن
اگر کوئی ملامت کرے۔ اس کے متعلق یہ قیاس کر لینا کہ وہ قیام کو شرعی
طور پر واجب سمجھتا ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ ملامت کی بہت
سی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ کبھی واجب ہونے کا اعتقاد۔ کبھی عادت یا رسم
کی مخالفت، چاہے عادت کسی دنیوی یا دینی بنیاد پر ہو۔ کبھی اس وجہ
سے ملامت ہوتی ہے کہ ملامت کرنیوالے کی رائے میں خواہ یہ رائے
صحیح ہو یا غلط۔ وہ فعل کسی بدعقیدہ قوم کی علامت بن گیا ہے۔ چنانچہ

جب وہ کسی کو کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ یہ بھی ان ہی میں سے ہے۔ مثال کے طور پر کوئی بزرگ مجلس میں تشریف لائیں اور سب لوگ تعظیم کے لیے کھڑے ہوجائیں۔ لیکن ایک شخص بیٹھا رہے تو اس پر ملامت اس وجہ سے کوئی نہیں کرتا کہ اس نے شریعت کے کسی واجبات کو ترک کیا۔ بلکہ اس وجہ سے کہ اُس نے مجلس کی وضع کی مخالفت کی۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ برّصغیر میں عام طور پر رسم ہے کہ تراویح میں قرآن مجید کے ختم کے موقعہ پر شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ اگر کوئی شیرینی تقسیم نہ کرے تو ملامت کریں گے۔ لیکن یہ ملامت صرف اسی وجہ سے ہوگی کہ اس نے ایک نیک رسم کو ترک کیا۔ یا پھر مثلاً کسی زمانے میں "بحق" کہنا معتزلہ[۱] فرقے کے ساتھ مخصوص تھا۔ اگر کوئی ناواقف آدمی کسی کو "بحق" کہتا ہوا سنتا تو یہ سمجھتے ہوئے ملامت کرتا کہ یہ شخص بھی اُسی فرقے کا ہے۔ اس فعل سے اس کے باقی عقائد پر قیاس کرکے وہ اسکی مخالفت کرتا۔ بہرحال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی شخص کے محض ملامت

---

۱ معتزلہ اپنے آپ کو اہل العدل والتوحید" کہتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ انسان اپنی تقدیروں کا خود خالق ہے۔ وہ اشیاء کی خوبی یا خرابی کا معیار عقل قرار دیتے ہیں۔

کرنے کو ہم اس بات کی دلیل نہیں ٹھیرا سکتے کہ وہ اس فعل کو واجب سمجھتا ہے اور اگر فرض کرو عوام میں سے کسی کا یہ عقیدہ ہو بھی کہ قیام واجب یا فرض ہے تو صرف اسی کے حق میں بدعت ہو جائے گا۔ ان کے حق میں جن کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ وہ جائز (مباح) اور پسندیدہ رہے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض لوگ جن کی طبیعت میں شدت ہے رجعتِ قہقری[1] کو ضروری سمجھتے ہیں تو اگر کوئی رجعتِ قہقری کرے گا۔ اس خیال سے کہ یہ ضروری نہیں۔ ہاں پسندیدہ ہے تو کیا اس کے حق میں بھی یہ بدعت ہو جائے گی۔ بعض اہل علم جاہلوں کی چند زیادتیوں کو دیکھ کر جیسے موضوع روایات پڑھنا یا گانا وغیرہ جو اکثر عوام کی مجلسوں میں ہوتا ہے۔ سب مجلسوں پر ایک عام حکم لگا دیتے ہیں۔ یہ انصاف کے خلاف ہے بعض واعظین موضوع روایات بیان کرتے ہیں اور کبھی کبھی ان کے وعظ میں مردوں اور عورتوں کی ایک ساتھ موجودگی کی وجہ سے کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو کیا

---

[1] الٹے پاؤں پھرنا۔ یہاں پر اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ حج میں طواف وداع سے فارغ ہونے کے بعد الٹے پاؤں حرم سے باہر آنے پر مصر ہوتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو گنہ گار ہوں گے تو ان کے اس غلط خیال کی وجہ سے ان لوگوں کا یہ فعل بدعت کیوں ٹھیرے گا۔ جن کا یہ عقیدہ نہیں ہے اور صرف ایک مستحسن فعل سمجھ کر الٹے پاؤں لوٹتے ہیں۔

تمام وعظ کی مجلسیں ممنوع ہو جائیں گی۔

ع بہر کیکے تو گلیمے را مسوز [1]

رہا یہ عقیدہ کہ مجلس مولود میں حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلّم رونق افروز ہوتے ہیں تو اس عقیدہ کو کفر و شرک کہنا حد سے بڑھنا ہے۔ یہ بات عقلاً و نقلاً ممکن ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر واقع ہو بھی جاتی ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ حضرت صلعم کو کیسے علم ہوا۔ آپ کئی جگہ کیسے تشریف فرما ہوئے تو یہ شبہ بہت کمزور شبہ ہے۔ حضورؐ کے علم و روحانیت کی وسعت کے آگے جو صحیح روایات سے اور اہل کشف کے مشاہدے سے ثابت ہے، یہ ادنیٰ سی بات ہے۔ اس کے علاوہ اللہ کی قدرت میں تو کوئی کلام نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ اپنی جگہ تشریف رکھیں اور درمیانی حجاب اٹھ جائیں۔ بہرحال ہر طرح سے یہ بات ممکن ہے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت علم غیب کا عقیدہ جو ذاتِ حق کے ساتھ مخصوص ہے۔ لازم نہیں آتا۔ علم غیب اس کو کہتے ہیں جو علم رکھنے والے کی ذات سے وابستہ ہو۔ یعنی وہ اپنی ذات سے غیب کی باتوں کو جانتا ہو، اس کو کسی کے بتانے کی ضرورت نہ ہو۔ اس قسم کا علم غیب صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ وہ

---

[1] ایک پسو کی وجہ سے اپنا کمبل مت جلا۔

علم جو اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے حاصل ہوتا ہے وہ ذاتی نہیں۔ بلکہ کسی خبر دینے والے کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ایسا علم مخلوق کے حق میں نہ صرف ممکن ہے۔ بلکہ اس کے حاصل ہونے کے واقعات مشہور و معروف ہیں۔ القاء، الہام، وحی اسی قبیل سے ہیں کسی ممکن بات کا اعتقاد کس طرح کفر و شرک ہو سکتا ہے البتہ جو بات ہو سکتی ہے۔ اس کا ہو جانا ضروری نہیں۔ اس کے واقع ہونے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ اگر کسی کو دلیل مل جاتے مثلاً خود کشف ہو جائے یا کوئی صاحب کشف خبر دے تو اسے یقین رکھنا جائز ہے ورنہ بغیر دلیل کے ایک غلط خیال ہے ایسے غلط خیال کو چھوڑ دینا لازمی ہے۔ مگر شرک و کفر کسی طرح نہیں ہو سکتا اس مسئلہ کی مختصر تحقیق یہی ہے جو یہاں بیان کی گئی۔ فقیر کا مشرب یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں۔ بلکہ برکات کا ذریعہ سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف اور لذت پاتا ہوں۔ عملدرآمد اس سلسلہ میں یہ رکھنا چاہیئے کہ چونکہ یہ اختلافی مسئلہ ہے اور ہر فریق کے پاس شرعی دلائل بھی ہیں۔ جیسے اکثر اختلافی مسائل میں ہوا کرتے ہیں۔ چاہے قوت یا ضعف کا فرق ہو۔ اسلئے خواص کو چاہیئے کہ جو اُن کی تحقیق ہو اس پر عمل رکھیں۔ لیکن دوسرے فریق کے ساتھ بغض اور کینہ نہ رکھیں۔ نہ تحقیر و نفرت سے اُن کو دیکھیں۔ نہ ان کو فاسق و

گمراہ کہیں۔ بلکہ اس اختلاف کو حنفی شافعی کے اختلاف کے مانند سمجھیں نیز دونوں فریق آپس میں ملاقات، خط وکتابت وسلام، موافقت ومحبت کی رسوم جاری رکھیں۔ ایک دوسرے کی تردید اور آپس میں مباحثہ سے پرہیز رکھیں۔ خاص طور پہ بازاری لوگوں کی بیہودگیوں سے بچیں جو اہل علم کے منصب کے خلاف ہے۔ بلکہ ایسے مسائل میں نہ فتویٰ لکھیں نہ مہر و دستخط کریں، کیونکہ یہ فضول ہے۔ نیز ایک دوسرے کی رعایت رکھیں۔ مثلاً اگر قیام کو منع کرنیوالے قیام کرنے والوں کی محفل میں شریک ہوجائیں تو بہتر یہ ہے کہ اس محفل میں قیام نہ ہو۔ بشرطیکہ فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور اگر قیام ہو تو قیام کو منع کرنے والے بھی قیام میں شریک ہوجائیں۔ عوام نے جو غلو اور زیادتیاں کر لی ہیں۔ ان کو نرمی سے منع کریں اور ان لوگوں کا منع کرنا زیادہ مفید ہوگا۔ جو خود مولود شریف کے قیام میں شریک ہوتے ہیں جو اصل مولود ہی کو منع کرتے ہیں، انکا خاموش رہنا مناسب ہے۔ ان باتوں پہ گفتگو ہی نہ کریں جہاں ان باتوں کی عادت ہو۔ وہاں مخالفت نہ کریں۔ اور جہاں عادت نہ ہو ایجاد نہ کریں۔ غرض فتنہ سے بچیں۔ قصۂ حطیم[1] اس کے لیے کافی دلیل

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر لوگ کفر کے قریب نہ ہوتے (جو نئے مسلمان ہوئے تھے) تو کعبہ کی عمارت منہدم کر کے نئی عمارت بنواتا اور اس میں حطیم کو بھی شامل کر لیتا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے
باقی حاشیہ آگے

ہے۔ جائز سمجھنے والے منع کرنے والوں کی ممانعت کی تاویل کر لیا کریں کہ یا تو ان کی یہی تحقیق ہے یا احتیاطاً منع کرتے ہیں۔ کیونکہ بعض موقعوں پر اصل عمل سے منع کرنے ہی سے لوگ ایسی زیادتیوں سے بچتے ہیں اسی طرح منع کرنیوالے جائز سمجھنے والوں کے مسلک کی تاویل کر لیا کریں کہ یا تو ان کی یہی تحقیق ہے۔ یا غلبہ محبت سے یہ عمل کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن کی وجہ سے دوسروں کو بھی اجازت دیتے ہیں۔ خواص کا عمل درآمد یہی مناسب ہے اور عوام کو چاہیئے کہ جس عالم کو دیندار اور محقق سمجھیں۔ اس کی تحقیق پر عمل کریں اور دوسرے فریق کے لوگوں پر اعتراض نہ کریں۔ خاص طور سے دوسرے فریق کے علماء کی شان میں گستاخی نہ کریں۔ جو چھوٹا منہ بڑی بات ہے اور یاد رکھیں کہ غیبت اور حسد سے اچھے اعمال ضائع ہوتے ہیں۔ ان بُری باتوں سے پرہیز کریں اور تعصب اور عداوت سے دور رہیں ایسے مضامین کی کتابیں اور رسالے نہ پڑھیں۔ کیونکہ یہ علماء کا کام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے) سرے سے بنوایا تھا جس میں حطیم کو بھی شامل کر لیا تھا۔ مگر آپ کے شہید ہونے کے بعد حجاج بن یوسف نے اسے منہدم کر کے کعبۃ اللہ کو سابقہ طرز پر بنوایا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس دلیل سے یہ ثابت کرنا ہے کہ بعض موقعہ پر فتنے سے بچنے کے لیے فعل مستحسن بھی ترک کرنا مناسب ہے۔ (ملاحظہ ہو "اللؤلؤ والمرجان" کتاب الحج باب

ہے۔ ان چیزوں سے عوام کو علماء پر بدگمانی اور مسائل میں پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں جو تحقیق اور عملدرآمد یہاں تحریر کیا گیا۔ کچھ اس مسئلہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ نہایت مفید اور کارآمد مضمون ہے۔ اکثر اختلافی مسائل میں اس سے کام لینا صحیح ہوگا۔ کیونکہ وہ اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔ فاحفظه تنتفع ان شاء اللہ تعالیٰ

(اسے ذہن نشین کرلو۔ تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ)



فاتحہ مرّوجہ

اس میں بھی وہی گفتگو ہے جو اوپر میلاد شریف کے سلسلہ میں گزر چکی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میت کی روح کو ثواب پہنچانے میں اصولی طور پر کسی کو کلام نہیں۔ لیکن یہاں بھی اگر کوئی اس ثواب کو مخصوص باتوں پر موقوف سمجھے جو آج کل کی مجالس فاتحہ میں رائج ہیں۔ یا ان باتوں کو واجب یا فرض تصور کرے تو یہ ممنوع ہو جائیں گی اور اگر یہ عقیدہ نہیں ہے۔ بلکہ اس خاص شکل کو محض مصلحت سے اختیار کیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ اسی طرح فقہائے کرام نے نماز میں کسی مصلحت سے خاص سورتیں مقرر کرنا جائز رکھا ہے اور تہجد میں اکثر مشائخ کا یہی معمول ہے۔ اگر اس سوال پر غور کیا جائے کہ یہ فاتحہ کی شکل جس کا اس زمانے میں رواج ہے کس طرح وجود میں آئی تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکینوں کو کھلا دیا اور دل میں نیت کی کہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچ جائے۔ بعد کے لوگوں میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں گو دل

قوم میں سے سمجھا جاتے۔ جب وہ عادات دوسری قوموں میں پھیل کر عام ہو جائیں تو تشبہ جاتا رہتا ہے۔ ورنہ بہت سی عادات و رسوم غیر قوموں سے لئے گئے ہیں اور مسلمانوں میں اس کثرت سے پھیل گئے ہیں کہ کسی عالم، درویش کا گھر بھی ان سے خالی نہیں ہے۔ یہ سب باتیں بُری نہیں سمجھی جا سکتیں۔ اہلِ قبا[1] کی طہارت کا قصہ اس کے لیے کافی حجت ہے۔ ہاں اگر کوئی بات عام نہیں ہوئی اور اس غیر قوم کی خصوصیت ہے تو تشبہ ہو جاتا ہے جو منع ہے۔ چنانچہ ثواب پہنچانے کی شکل جو اس زمانہ میں رائج ہے کسی ایک قوم

---

[1] اہل قبا کی طہارت کے قصے سے اس آیت کا مضمون مراد ہے۔ فیہ رجال یحبون ان یتطهروا واللہ یحب المطهرین۝ (سورہ توبہ آیت نمبر ۱۰۸) ترجمہ: (اس میں (مسجد قبا) ایسے لوگ (آتے ہیں) جو پسند کرتے ہیں کہ پاک (صاف رہیں اور (اللہ (بھی) پاک و صاف رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالٰے نے تمہاری مسجد کے بیان میں تمہاری طہارت کی جو تعریف کی ہے تو بتلاؤ تو کہ تمہاری طہارت کیسی ہے؟ (یعنی تم کس طرح طہارت کرتے ہو۔) انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اور تو کچھ معلوم نہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ہم نے اپنے پڑوسی یہودیوں کی نسبت جب سے یہ معلوم کیا کہ وہ پاخانہ سے نکل کر پانی سے پاکی کرتے ہیں

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ حضرت غوث پاک قدس سرہٗ کی گیارہویں رسوم، دسواں، بیسواں، چہلم، ششماہی، برسی وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ اور سہ منی حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ شب برات کا حلوہ اور ایصال ثواب کے دوسرے طریقے اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔ فقیر کا مشرب اس سلسلہ میں یہ ہے

(بقیہ) ہم نے اس وقت سے اپنا وتیرہ یہی بنالیا ہے۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ نے یہ سوال عدیم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ طبرانی اور ابن ماجہ وغیرہ میں بھی تقریباً یہی مضمون ملتا ہے۔ بلکہ ساتھ ہی ساتھ یہ حدیث کی عبارت بھی درج ہے۔ قال فہو ذالک فعلیکموہ یعنی انصار کا جواب سن کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس وہ یہی بات ہے پس تم پر لازم ہے کہ تم ایسا کرو۔ یعنی پانی سے استنجا ضرور کیا کرو۔ غرض متعدد روایات سے ثبوت ملتا ہے کہ پانی سے استنجا کرنے کی عادت اختیاری تھی جسے جماعت انصار نے اپنایا اور چونکہ یہ عادت انصار میں عام ہوگئی تھی۔ لہذا کوئی شبہ تشبہ کا باقی نہیں رہا۔ بلکہ ان کے اس فعل کو پسند کیا گیا۔ حالانکہ استنجا کے لیے صرف ڈھیلوں کے استعمال کا حکم تھا۔ یہ ہے تشریح اہل قبا کی طہارت کے قصہ کی۔

ل حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان مقصد یہ ہے کہ سب چیزیں اصولی طور پر منع نہیں ہیں۔ ہاں ضرورت سے زیادہ پابندی مجری ہو سکتی ہے۔ اگر ان میں ریا اور تصنع پیدا ہو جائے۔ یا بے جا اصراف کیا جائے تو اصلاح ضروری ہے

کہ میں ان خاص شکلوں کا پابند نہیں ہوں۔ مگر کرنے والوں پر انکار بھی نہیں کرتا۔ اس مسئلہ میں عمل درآمد یہی رکھنا چاہیئے جو اوپر میلاد شریف کے بارے میں بیان ہو چکا ہے۔ یعنی دونوں فریق آپس میں مل جل کر رہیں۔ بحث و مباحثہ نہ کریں۔ ایک دوسرے کو وہابی بدعتی نہ کہیں اور عوام کو غلو اور جھگڑا کرنے سے منع کریں۔



عُرس اور سماع

لفظ عُرس اس حدیث سے لیا گیا ہے نم کنومۃ العروس[1] یعنی مرنے کے بعد صالح بندے سے کہا جاتا ہے "سو جا دلہن کی نیند" اللہ کے مقبول بندوں کے حق میں موت محبوبِ حقیقی سے ملنے کا نام ہے اور اسی وجہ سے ان کی موت وصال کہی جاتی ہے یعنی ملاپ اب جو محبوبِ حقیقی سے جا ملے اس سے بڑھ کر کیا شادی ہو سکتی ہے عرس کی رسم جاری کرنے کا یہ مقصد تھا کہ مرنے والوں کی روحوں کو ایصال ثواب کرنا ایک پسندیدہ فعل ہے۔ اس سلسلہ میں جن بزرگوں سے ہم نے فیوض و برکات حاصل کئے ہیں، انکا ہمارے اوپر سب سے زیادہ حق ہے، پھر اپنے پیر بھائیوں سے ملنا محبت کو بڑھاتا ہے اور باعثِ برکت بھی ہے، اس کے ساتھ طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش میں دقت نہیں ہوتی، کیونکہ بہت سے مشائخ رونق

---

[1] ترمذی، ابواب الجنائز،

افروز ہوتے ہیں، ان میں جن سے عقیدت ہو، ان کے مُرید ہو سکتے ہیں، اس طرح سے سلسلہ کے سب لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جاتے ہیں، ایک دوسرے سے ملاقات ہو جاتی ہے اور صاحب مزار کی روح کو قرآن کی تلاوت اور کھانا تقسیم کرنے کا ثواب بھی پہنچایا جاتا ہے اس مصلحت سے ایک خاص تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اب یہ تاریخ وفات کا دن کیوں ہے۔ اس میں کچھ راز پوشیدہ ہیں، جن کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ چونکہ بعض سلسلوں میں سماع کا رواج ہے۔ اس لئے حال کو تازہ کرنے اور ذوق اور شوق کو بڑھانے کے لئے کچھ سماع بھی ہوتے ہوگا۔ چنانچہ عرس کی اصلیت یہی ہے اور اس میں کوئی حرج نظر نہیں آتا بلکہ بعض علماء نے احادیث سے اس کا جواز بھی نکالا ہے۔ ایک شبہ اس حدیث سے پیدا ہوتا ہے۔ لاتتخذوا قبری عیدًا یعنی میری قبر کو عید مت بنانا۔ اس حدیث کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا، خوشیاں کرنا۔ زینت و آرائش اور دھوم دھام کا اہتمام کرنا یہ سب منع ہے۔ کیونکہ زیارت قبور عبرت اور آخرت کو یاد دلانے کے لئے ہے۔ نہ کہ غفلت اور زینت کے لیے۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ قبر پر جمع ہونا منع ہے۔ ورنہ قافلوں کا روضۂ اقدس کی زیارت

لے حجۃ اللہ البالغہ، باب الاذکار وما یتعلق بہا،

کے لیے مدینہ طیبہ جانا بھی منع ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ زیارت قبور اکیلے یا جماعت کے ساتھ دونوں طرح جائز ہے اور ایصال ثواب بذریعہ تلاوت قرآن اور تقسیم طعام بھی جائز اور مصلحت سے خاص تاریخ کو مقرر کرنا بھی جائز اور یہ سب مل کر بھی جائز ہے رہا یہ شبہ کہ وہاں پکار کر سب قرآن شریف پڑھتے ہیں

اور اس میں آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتو ا

(سورۃ الاعراف ، آیت نمبر ۲۰۴) ترجمہ۔ اور مسلمانو! جب قرآن پڑھا جائے۔ تو جی لگا کر سنو اور چپ رہو۔ تاکہ اللہ کی مہربانی کے مستحق ثابت ہو۔ کی مخالفت ہوتی ہے۔ اوّل تو علماء نے لکھا ہے۔ کہ نماز کے باہر خاموشی سے قرآن شریف کو سننا مستحب ہے۔ یعنی پسندیدہ ہے۔ فرض یا واجب نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کوئی کسی مستحب کو چھوڑ دے تو اتنا سخت اعتراض مناسب نہیں۔ ورنہ مکتبوں میں بچوں کا پڑھنا بھی منع ہو جائے گا۔ دوسرے اگر کسی کی یہ تحقیق ہو کہ قرآن شریف کو سنتے وقت خاموش رہنا ہر حالت میں واجب ہے تو بجائے اس کے کہ پورے عرس ہی کو منع کرے۔ بہتر یہی ہوگا کہ لوگوں کو اس بات کی تعلیم کرے کہ قرآن مجید خاموشی

اس مسئلہ میں فقیر کا مشرب یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی رُوح مبارک کو ایصالِ ثواب کرتا ہوں۔ اول قرآن خوانی ہوتی ہے اور کبھی کبھی اگر وقت میں گنجائش ہوئی تو مولود پڑھا جاتا ہے۔ پھر کھانا کھلا دیا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔ اس سے زاید فقیر کی عادت نہیں ہے اور نہ کبھی سماع کا اتفاق ہوا۔ نہ خالی نہ ساز کے ساتھ۔ مگر دل میں اہلِ حال پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ ہاں جو شخص ریاکار دعویدار ہو وہ بُرا۔ مگر بغیر شرعی دلیل کے اس کا فیصلہ کرنا کہ فلاں شخص ریاکار ہے' درست نہیں۔ اس میں بھی دونوں فریق کا عملدرآمد یہی ہونا چاہیئے جو اوپر گزر چکا کہ جو لوگ نہ کریں تو اس بات کو ان کا کمالِ اتباعِ سنت کا شوق سمجھو اور جو کریں۔ ان کو اہلِ محبت میں سے جانیں اور ایک دوسرے پر انکار نہ کریں اور عوام کی زیادتیوں کو لطف و نرمی سے روکنے کی کوشش کریں

بقیہ: بھائی ہوں جو انوار و معارف کے حاصل کرنے میں باہم شریک ہوں۔ اخوان کی شرط میں قوال بھی شریک ہیں۔ قوال ذاکر و شاغل ہوں۔ صوم و صلاۃ کے پابند ہوں حریص دنیا نہ ہوں متقی اور پرہیزگار ہوں۔ اگر سماع کی کسی محفل میں مذکورہ بالا شرائط موجود نہ ہوں تو صوفیائے کرام کے نزدیک ایسے سماع میں شریک ہونا مناسب نہیں ہے۔

لے عبرواحد اس حدیث کو کہتے ہیں کہ شروع سے آخر تک صرف ایک دو راویوں نے روایت کی ہو۔

غیراللہ کو پکارنا

اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ پکارنے سے مختلف مقاصد واغراض ہوتے کبھی اس کا مقصد محض اظہار شوق ہے، کبھی حسرت کبھی کسی کو سنانا، کبھی اس کو پیام پہنچانا، چنانچہ اگر کسی غائب مخلوق کو محض یاد کرنے کے لیے یا وصال کے شوق اور فراق کی حسرت سے پکارا جاتے۔ جیسے اپنے دل کو تسلّی دینے کے لئے عاشق اپنے محبوب کا نام لیا کرتا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں مجنوں کا قصّہ مثنوی میں آتا ہے۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد
در بیابانِ غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم
می نمود ے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنونِ شیدا چیست ایں
می نویسی نامہ بہر کیست ایں

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم
خاطرِ خود را تسلّی می دہم

ترجمہ: کسی صحرا نورد نے مجنوں کو دیکھا کہ اپنے غم وحزن کی ویران دنیا میں تنہا بیٹھا ہوا ہے۔ ریت کاغذ ہے اور انگلیاں قلم۔ کسی کو خط لکھ رہا ہے۔ پوچھا گیا کہ اے مجنونِ شیدا یہ سب کیا ہے۔ کس کے لیے یہ خط نویسی ہو رہی ہے کہنے لگا کہ میں تو لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں۔ اور اس طرح اپنے دل کو تسکین دے رہا ہوں۔

اس قسم کا پکارنا صحابہ کرام سے بہت سی روایتوں میں پایا جاتا ہے اور یہ بات ان لوگوں پر مخفی نہیں ہے۔ جنھوں نے آثارِ صحابہ کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مخاطب کو سنانا مقصود ہو تو اگر پکارنے والا باطنی صفائی سے اس ہستی کا رُوحانی مشاہدہ کر رہا ہے۔ جس کو پکار رہا ہے۔ تو بھی جائز ہے اور اگر مشاہدہ نہیں کر رہا لیکن سمجھتا ہے کہ فلاں ذریعہ سے اس کو خبر پہنچ جائے گی اور وہ ذریعہ دلیل سے ثابت ہو تو بھی جائز ہے۔ مثلاً یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔ کہ ملائکہ درود شریف کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ اگر اسی اعتقاد سے کوئی الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہے تو مضائقہ نہیں۔ ہاں اگر

نہ مشاہدہ ہو رہا ہو۔ نہ پیغام پہنچانا مقصود ہو اور نہ کوئی پیغام پہنچانے کے ذریعے کی کوئی دلیل ہو تو ایسا پکارنا منع ہے۔ مثلاً اگر کوئی کسی ولی کو دور سے پکارتا ہے، اس طرح کہ ان کو سنانا منظور ہو اور نہ وہ روبرو ہیں اور نہ اس شخص کے پاس کوئی شرعی ثبوت ہے کہ ان کو کسی ذریعہ سے خبر پہنچ جائے گی۔ تو یہ اعتقاد اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اور علم غیب کا دعوے بھی ہے۔ بلکہ شرک سے ملتا جلتا ہے۔ مگر بے دھڑک اس کو شرک اور کفر کہہ دینا جرأت کی بات ہے۔ کیونکہ ممکن ہے، اللہ تعالےٰ ان بزرگ کو خبر پہنچا دے اور کسی ممکن بات کا اعتقاد شرک نہیں ہو سکتا۔ لیکن جو بات ہو سکتی ہے اس کا ہو جانا ضروری نہیں۔ اس لئے اس قسم کی بے معنی پکار کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ وہ پکار جو حدیث میں آتی ہے مثلاً یا عباد اللہ اعینونی۔ (اے بندگانِ خدا میری مدد کرو) وہ سب کے نزدیک جائز ہے۔

یہ تفصیل جو اوپر گزری ہے عوام کے لیے ہے۔ اہلِ خصوصیت کا حال بھی جدا اور حکم بھی جدا۔ ان کے حق میں یہ فعل عبادت ہو جاتا ہے جو خواص میں سے ہوگا۔ وہ خود سمجھ جائے گا۔ بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ اس سے "یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" کے وظیفہ کا حکم معلوم ہو گیا اگر شیخ کو متصرفِ حقیقی سمجھے تو یہ شرک کی طرف لے

جاننے والی بات ہے۔ ہاں اگر وسیلہ یا ذریعہ جانے یا ان الفاظ کو بابرکت سمجھ کر خالی الذہن ہو کر پڑھے تو کچھ حرج نہیں۔ یہ اس مسئلے کی حقیقت ہے۔ اب بعض علماء اس قسم کی پکار کو منع کرتے ہیں۔ اس خیال سے کہ عوام فرق مراتب نہیں کرتے۔ ان کی نیت بھی اچھی ہے انما الاعمال بالنیّات (یقیناً اعمال کا مدار نیتوں پر ہے) مگر مصلحت یوں ہے۔ کہ اگر پکارنے والا سمجھ دار ہو۔ تو اس پر حسن ظن کیا جائے اور محض عامی جاہل ہو تو اس سے دریافت کیا جائے اگر اس کے عقیدے میں کوئی خرابی ہو تو بالکل روک دیا جائے۔ لیکن ہر موقع پر اصل عمل سے منع کرنا مصلحت ہو تو بالکل روک دیا جائے۔ لیکن ہر موقعہ پر اصل عمل سے منع کرنا مفید نہیں ہوتا۔ ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے جو بہت جگہ کارآمد ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی غلط عمل میں مبتلا ہو اور اس کے حالات کو دیکھ کر یہ یقین ہو جائے کہ یہ شخص اصل عمل کو ترک نہ کرے گا تو اس موقعہ پر نہ تو اس کو اصل عمل کے چھوڑنے پر مجبور کرے۔ کیونکہ سوائے فساد اور دشمنی کے اور کوئی نتیجہ نہ ہوگا اور نہ اس کو بالکل آزاد اور بے لگام چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ شفقت اور اخوت اسلامی کے خلاف ہے۔ بلکہ اصل عمل کی اجازت دے کر اس میں جو خرابی ہو اس کی اصلاح کرے۔ اس میں قبول ہونے

امید زیادہ ہے۔ حق سبحانہ تعالےٰ کا حکم ہے۔

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ سورۃ النحل آیت نمبر ۱۲۵

اے پیغمبر! اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ اس طرح کہ حکمت کی باتیں کرو اور اچھے طریقہ پر پند و نصیحت کرو۔

جاہلیت کی رسوم کے عام رواج کے وقت جو شریعت کے احکام مقرر ہوئے تھے۔ ان پر غور کرنے سے یہ قاعدہ صاف نظر آئے گا۔ اس فقیر کا مشرب یہ ہے کہ ایسی پکار میرا معمول نہیں۔ ہاں بعض اشعار میں ذوق و شوق سے صیغۂ ندا برتا گیا ہے۔ عمل درآمد وہی رکھنا چاہیئے جس کا ذکر اوپر کے تین مسئلوں میں گزر چکا ہے۔

جماعتِ ثانیہ

(یعنی مسجدوں میں ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت کرنا)

اس مسئلہ میں قدیم زمانے سے اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دوسری جماعت کو پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ بعض شرائط کے ساتھ اجازت دیتے ہیں۔ دونوں طرف دلیلیں موجود ہیں، اس مسئلہ میں گفتگو کو طول دینا مناسب نہیں ہے کیونکہ دونوں مسلکوں کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ بہتر یہی ہے کہ دونوں قولوں کو یوں جمع کیا جائے کہ اگر پہلی جماعت کاہلی وسستی کی وجہ سے چھوٹ گئی اور دوسری جماعت کی شرکت سے روکنے سے اس شخص کو تنبیہ ہو جائے گی، تو اس کے لئے جماعتِ ثانیہ کے مکروہ ہونے کا حکم دیا جائے۔ اور مکروہ کہنے والوں کی دلیل بھی یہی ہے کہ اگر اجازت دی جائے تو پہلی جماعت کم ہو جائے گی۔ اگر کسی معقول عذر سے پہلی جماعت رہ گئی تو دوسری جماعت کے ساتھ پڑھنا

تنہا پڑھنے سے بہتر ہے اور اگر کوئی شخص ایسا لاابالیؔ ہے کہ دوسری جماعت سے منع کرنے سے اس کو تنبیہ نہ ہوگی، بلکہ تنہا پڑھنے کو، غنیمت سمجھ کر جلدی سے چار ٹکریں مار کر رخصت ہو جائے گا تو ایسے شخص کو منع کرنے سے کیا فائدہ، بلکہ جماعت کے ساتھ نماز کسی قدر سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرے گا، اس مسئلہ میں بھی عملدرآمد ایسا رکھنا چاہیئے کہ ہر فریق دوسرے فریق سے محبت سے پیش آئے۔ کیونکہ دونوں کے عمل کی ایک سند موجود ہے، جہاں دوسری جماعت نہ ہوتی ہو۔ وہاں تنہا پڑھ لے خواہ مخواہ جماعت نہ کرے۔ اور جہاں ہوتی ہو شریک ہو جائے اور مخالفت نہ کرے۔ یہ پانچ مسئلے عملی تھے اب دو علمی مسئلے باقی رہ گئے ہیں، جن کی تفصیل آگے آتی ہے۔

لے غافل اور بے پرواہ۔

امکانِ نظیر و امکانِ کذب

ان دو مسئلوں کی اگر کوئی تفصیل کے ساتھ تحقیق کرنا چاہے تو "حقائق" کے عرفان کی تحقیق، کے بغیر نہیں کر سکتا۔ یوں تو یہ مسئلے بہت باریک ہیں۔ مگر فی الجملہ دو چیزوں کا اعتقاد رکھنا چاہیے۔ ایک " ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر" (سورۃ النحل آیت نمبر ۷۷) یعنی اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔ دوسرے سُبْحَانَ اللہِ عما یصفون (سورۃ المومنون آیت نمبر ۹۱) یعنی اللہ تعالےٰ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ جیسے اپنے قول کی مخالفت کرنا یا کسی ایسی بات کی

۱؎ قرآن مجید میں آیا ہے "ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر"۔ بعض لوگوں نے اس پر کہا کہ اگر خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ تو کیا وہ رسولِ کریم علیہ السلام کی نظیر لانے پر (امکانِ نظیر) یا جھوٹ بولنے پر (امکانِ کذب) قادر ہے۔

خبر دینا جو حقیقت میں واقع نہ ہو۔ وغیرہ۔

اب یہ تحقیق کرنا ہم پر لازم نہیں ہے کہ کون سی چیز مفہوم شئے (جو سابقہ آیت "علی کل شیئ" میں مذکور ہے) میں داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قادر کہا جائے اور کون سی چیز عیب و نقص کی تعریف میں ہے۔ کہ اس سے اُسکو پاک کہا جائے۔ اور کون سی چیز عیب و نقص کی تعریف میں ہے کہ اس سے اس کو پاک کہا جائے۔ خاص طور سے جب دلیلیں ایک دوسرے سے مختلف ہوں بلکہ عجب نہیں کہ ان کی نزاکت کی وجہ سے ایسے مسائل میں زیادہ گفتگو اور تفتیش کرنا منع ہو۔ تقدیر کے مسئلہ کو لیجئے کیونکہ اس میں بہت سی دشواریاں تھیں۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر گفتگو کرنے سے کس قدر سخت ممانعت فرمائی۔ اس ممانعت کی وجہ یہی باریکی اور دشواری تھی۔ ان دو مسئلوں میں بھی جب کہ عقلی اور نقلی دلیلوں کے ظاہری اختلاف کی وجہ سے سخت دشواری ہے تو جنگ و قتال کرنے کی کیسے اجازت ہوگی اس مضمون کا ایک خواب فقیر کے احباب میں سے کسی ایک نے دیکھا جس کو فقیر نے بہت پسند کیا (جو اوپر بیان ہوا) اس سے بہتر کوئی عمل کارآمد نہیں اور اگر طبع آزمائی کے لیے گفتگو ضروری ہی کرنا ہے تو تنہائی میں کریں اور اگر تحریر کی حاجت ہو تو خط کافی ہے نہ کہ رسالے

اور کتابیں۔ اور اگر اسی کا شوق ہے تو عربی میں ہونا چاہیئے تاکہ عوام
خراب نہ ہوں۔ عوام کے لئے خاموشی قطعی ضروری ہے ؛




NafseIslam